ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.9 No.1 2026

# قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں: تفسیری و تجزیاتی مطالعہ اور عصرِ حاضر کے لیے راہ نما اصول

# THE SUPPLICATIONS OF THE PROPHETS IN THE HOLY QURAN: A TAFSEER BASED ANALYTICAL STUDY AND GUIDING PRINCIPLES FOR THE CONTEMPORARY ERA

**Dr. Hafiz Saifullah Sajid**
Assistant Professor, Govt. Islamia Graduate College, Kasur.
**Dr. Usman Abbas Rai**
**(Corresponding Author)**
Lecturer, Department of Basic Sciences & Humanities (Islamic Studies), UET Lahore (Narowal Campus).
**Muhammad Usman**
Teacher at Govt. High School, Qanchi Amer Sidhu, Lahore.
**Siddiqua Aslam Qureshi**
Visiting Lecturer Quran Translation, University of the Punjab, Lahore.

***Abstract***
*Supplication is one of the fundamental means of establishing a direct relationship between human beings and Allah Almighty. The Holy Quran presents numerous supplications of the Prophets (peace be upon them) which reflect their faith, patience, reliance upon Allah, struggle for truth, and concern for the guidance of humanity. These supplications are not merely expressions of personal needs; rather, they represent comprehensive principles of individual and collective reform. This research aims to analyze the supplications of the Prophets mentioned in the Holy Quran with special focus on their historical backgrounds, objectives, consequences, and their relevance to contemporary human life. The study adopts a qualitative research methodology based on textual analysis of Quranic verses and interpretation of classical and modern Quranic commentaries, including Tafseer al-Tabari, Tafseer Ibn e Kathir, Mafateeh-ul-Ghaieb, Maarif-ul-Quran, Tafheem-ul-Quran and Tadabbur-e-Quran. The study reveals that the supplications of the Prophets provide universal guidance regarding faith, repentance, patience, leadership, family upbringing, social reform, gratitude and dependence upon Allah. The prayers of Prophet Adam (peace be upon him) highlight repentance, Prophet Nuh (peace be upon him) reflects perseverance in preaching, Prophet Ibraheem (peace be upon him) emphasizes monotheism, peace and righteous generations, while the prayers of Prophet Musa (peace be upon him) demonstrate principles of leadership and facing challenges. Similarly, the supplications of Prophet Ayyoub, Younus, Zakariya and Suleman (peace be upon them) provide guidance for patience, hope, righteous offspring and responsible use of blessings.The research concludes that Quranic supplications are a timeless source of spiritual and ethical guidance and offer effective solutions to many contemporary individual and social challenges.*

**Keywords:** *Prophetic Supplications, Guidance, Outcomes of Supplication, Contemporary Challenges, Islamic Ethics, Analysis, Tafseer.*

دعا انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ براہِ راست تعلق قائم کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلام نے دعا کو محض کسی حاجت کے حصول کا وسیلہ نہیں بلکہ عبادت، بندگی، توکل اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی محتاجی کے اظہار کا نام دیا ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کو نقل کیا ہے، جن میں ان کی زندگی کے مختلف حالات، دعوتی جدوجہد، آزمائشیں، مشکلات، امیدیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہونے کے باوجود ہر حال میں دعا کے محتاج رہے۔ انہوں نے خوش حالی میں شکر، مشکلات میں صبر، خطاؤں کے مواقع پر توبہ، دعوتی مراحل میں مدد و نصرت، اور آئندہ نسلوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ قرآن کریم میں مذکور ان دعاؤں کا مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ دعا دراصل انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی اصلاح کا ایک جامع نظام پیش کرتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں توبہ و رجوع کا درس ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی دعاؤں میں دعوتی استقامت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اعتماد نمایاں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں میں توحید، صالح نسل، امن اور دینی قیادت کے اصول ملتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں میں قیادت، مشکلات کے مقابلے، شرحِ صدر اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا صبر و توکل، حضرت یونس علیہ السلام کی دعا توبہ و امید، حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا صالح نسل اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا شکر و ذمہ دارانہ اقتدار کے اصول فراہم کرتی ہے۔ موجودہ دور میں

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



انسان علمی ومادی ترقی کے باوجود ذہنی اضطراب، اخلاقی بحران، خاندانی کمزوری، معاشرتی بے اطمینانی اور روحانی خلا کا شکار ہے۔ ایسے حالات میں قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں انسان کو ایک متوازن، امید افزا اور اللہ تعالیٰ سے مربوط زندگی کا راستہ دکھاتی ہیں۔ اس تحقیقی مقالے میں قرآن مجید میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی منتخب دعاؤں کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے تاریخی پس منظر، مقاصد، قرآنی اثرات اور عصر حاضر کے لیے حاصل ہونے والے راہ نما اصولوں کا تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے۔

## مبحث اول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں

### 1۔ امنِ وطن اور رزقِ حلال کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ[1]

"اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس (جگہ) کو ایک امن والا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ فرمایا اور جس نے کفر کیا تو میں اسے بھی تھوڑا سا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کروں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو ایک بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا گیا، جہاں بعد میں مکہ مکرمہ آباد ہوا۔ اس موقع پر آپؑ نے سب سے پہلے اس سرزمین کے لیے امن اور پھر رزق کی دعا فرمائی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ انسانی معاشرے کی تعمیر میں امن بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر معاشی ترقی اور دینی زندگی دونوں ناممکن ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے رزق سے پہلے امن کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور مکہ کو امن کا مرکز اور مختلف پھلوں کی فراوانی والا شہر بنادیا، حالانکہ وہ زرعی لحاظ سے بنجر علاقہ تھا۔[2] اس دعا کا بنیادی مقصد ایک ایسی اسلامی بستی کی بنیاد رکھنا تھا جہاں امن، ایمان اور معاشی استحکام یکجا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ریاست کی اولین ذمہ داری امن کا قیام اور شہریوں کے لیے معاشی وسائل کی فراہمی ہے۔ اس دعا کے نتیجے میں مکہ مکرمہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا روحانی مرکز بنا اور قرآن نے اسے "بلداً آمناً" قرار دیا۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ پائیدار ترقی، دینی آزادی اور معاشرتی خوش حالی کا انحصار امن و امان پر ہے۔ انفرادی سطح پر بھی مسلمان کو اپنے گھر، معاشرے اور وطن کے لیے امن، حلال رزق اور ایمانی استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اسلامی ریاست اور صالح معاشرے کی تشکیل کے بنیادی اصول متعین کرتی ہے۔

### 2۔ بیت اللہ کی قبولیت، صالح نسل اور بعثتِ رسول ﷺ کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[3]

"اور جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہا تھا اور اسماعیل بھی۔ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہمارے عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی نہایت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اے ہمارے رب! اور ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے"۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرتے ہوئے مسلسل دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے، انہیں اپنی کامل اطاعت پر قائم رکھے، ان کی نسل میں ایک فرمانبردار امت پیدا کرے اور اسی نسل میں ایک عظیم رسول مبعوث فرمائے جو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور لوگوں کا تزکیہ کرے۔ مفسرین کے مطابق یہ دعا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی واضح بشارت ہے، جس کی تکمیل آپ ﷺ کی صورت میں ہوئی۔[4] اس دعا میں عبادت کی قبولیت،

---

[1] البقرة2:126۔

[2] تفسیرالطبری2/579؛ تفسیر ابن کثیر1/381؛ تفسیرالقرطبی2/126۔

[3] البقرة2:127-129۔

[4] تفسیرالطبری2/596-607؛ تفسیر ابن کثیر1/385-389؛ تفسیر الرازی4/58-63۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL



اخلاص، صالح اولاد، اجتماعی اصلاح اور دینی قیادت جیسے متعدد مقاصد جمع ہیں۔ خصوصاً یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام عبادت کی ادائیگی کے بعد بھی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی ذات تک محدود رہنے کے بجائے آنے والی نسلوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے بھی دعا کی۔ اس دعا کے اثرات تاریخِ اسلام میں نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔ بیت اللہ عالمِ اسلام کا قبلہ بنا، حضرت محمد ﷺ آخری رسول کی حیثیت سے مبعوث ہوئے، قرآن کریم نازل ہوا اور امتِ مسلمہ وجود میں آئی۔ عصر حاضر کے لیے اس دعا کا سب سے بڑا رہنما اصول یہ ہے کہ دینی منصوبہ بندی صرف موجودہ نسل تک محدود نہ ہو بلکہ آئندہ نسلوں کی تعلیم، تربیت، دعوت اور قیادت کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ نیز ہر نیک عمل کے بعد قبولیت کی دعا کرنا انبیائے کرام کی سنت ہے۔

### 3۔ توحید، امنِ مکہ اور صالح نسل کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[1]

"اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پھر جو میرے پیچھے چلا تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر اور مکہ کے قیام کے بعد دوبارہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اس سرزمین کو امن عطا فرمایا جائے اور انہیں اور ان کی اولاد کو شرک اور بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ مفسرین کے نزدیک یہ دعا اس حقیقت کی غماز ہے کہ خلیل اللہ جیسے عظیم پیغمبر بھی ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے تھے۔ انہوں نے شرک کو انسانیت کی سب سے بڑی گمراہی قرار دیتے ہوئے اپنی نسل کی عقیدے کی حفاظت کی دعا فرمائی۔[2] اس دعا کا بنیادی مقصد ایک ایسے معاشرے کی تشکیل تھا جس کی بنیاد توحید، امن اور خالص عبادت پر قائم ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے دنیاوی غلبہ یا دولت کی دعا نہیں کی بلکہ سب سے پہلے صحیح عقیدے اور اللہ کی بندگی کو ترجیح دی۔ یہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی محور بھی ہے۔ اس دعا کے اثرات یہ ہیں کہ مکہ مکرمہ توحید کا عالمی مرکز بنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں انبیاء کا عظیم سلسلہ جاری ہوا، جس کا اختتام حضرت محمد ﷺ پر ہوا۔ عصر حاضر میں یہ دعا والدین، اساتذہ اور دینی راہنماؤں کو یہ سبق دیتی ہے کہ نئی نسل کی فکری، اعتقادی اور اخلاقی حفاظت کو اپنی اولین ترجیح بنائیں، کیونکہ شرک صرف بت پرستی تک محدود نہیں بلکہ ہر وہ نظریہ، خواہش یا طاقت جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں شریک کر دی جائے، انسان کو توحید کے راستے سے ہٹا سکتی ہے۔

### 4۔ علم و حکمت، صحبتِ صالحین اور آخرت کی کامیابی کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ وَاجْعَلْنِي مِن وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ[3]

"اے میرے رب! مجھے حکم عطا کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا۔ اور پیچھے آنے والوں میں میرے لیے سچی ناموری رکھ۔ اور مجھے نعمت کی جنت کے وارثوں میں سے بنا"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتی ہے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے علم و حکمت، صالحین کی رفاقت، نیک نامی، جنت کی وراثت اور قیامت کے دن رسوائی سے حفاظت کی دعا کی۔ خصوصاً ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ (الشعراء:87) سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے محتاج تھے اور اصل کامیابی کو آخرت کی کامیابی سمجھتے تھے۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ایک کامل مومن کے مقاصدِ زندگی کی ترجمانی کرتی ہے؛ جس میں علم، عمل، عزت اور آخرت سب شامل ہیں۔[4] اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل اللہ" کا مقام عطا فرمایا اور قیامت تک کے لیے ان کا ذکر خیر جاری رکھا۔ عصر حاضر کے لیے یہ دعا ایک جامع نصابِ زندگی فراہم کرتی ہے کہ انسان کو علم، کردار، عزتِ حقیقی اور آخرت کی کامیابی کو مقصد بنانا چاہیے۔

---

[1] سورة ابراہیم14:36-35۔

[2] تفسیرالطبری16/522-525؛ تفسیر ابن کثیر4/479؛ تفسیرالقرطبی 9/348؛تفسیر ابن عاشور13/228۔

[3] سورة الشعراء26:85-83۔

[4] تفسیرالطبری19/394؛ تفسیر ابن کثیر6/151؛ تدبر قرآن، 6/242۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



### 5۔ توحید پر استقامت، توکل اور اجتنابِ فتنہ کفار کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ[1]

"یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بری ہیں جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے کہنا (تمھارے لیے نمونہ نہیں) کہ بے شک میں تیرے لیے بخشش کی دعا ضرور کروں گا اور میں تیرے لیے اللہ سے کسی چیز (کے دلوانے - (کا مالک نہیں ہوں، اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کے لیے آزمائش نہ بنا جنھوں نے کفر کیا اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! یقیناً تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے"۔

یہ دعائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اس موقع پر بیان ہوئی ہیں جب انہوں نے اپنی قوم کے شرک اور باطل عقائد سے براءت کا اعلان کیا۔ اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ سے تعلق، توکل اور مغفرت کی دعا فرمائی۔ ان دعاؤں میں تین بنیادی اصول نمایاں ہیں: اول: اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل، دوم: باطل سے نظریاتی براءت اور سوم: آزمائش میں ثابت قدمی کی دعا۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کو باطل نظریات کے ماحول میں اپنے ایمان کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہنا چاہیے۔[2] عصر حاضر میں یہ دعا مسلمانوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ فکری دباؤ، تہذیبی چیلنجز اور آزمائشوں کے دور میں اپنے ایمان اور اصولوں پر ثابت قدم رہیں، لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے فضل اور مغفرت کے محتاج بھی رہیں۔

## مبحث دوم: جناب عمران کی اہلیہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی دعائیں

### 1۔ اولاد کو دینی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ[3]

"جب عمران کی بیوی نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے تیرے لیے اس کی نذر مانی ہے جو میرے پیٹ میں ہے کہ آزاد چھوڑا ہوا ہو گا، سو مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے"۔

یہ دعا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ، حضرت عمران کی اہلیہ نے اس وقت کی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حمل کی نعمت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنے ہونے والے بچے کو دنیاوی مفادات کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرنے کی نذر مانی اور اس نذر کی قبولیت کی دعا کی۔ مفسرین کے مطابق اس زمانے میں عبادت گاہ کی خدمت کے لیے اولاد کو وقف کرنا عبادت اور تقربِ الٰہی کا ایک معروف طریقہ تھا۔ اگرچہ انہوں نے بیٹے کی توقع کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو عطا فرمایا اور انہی کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا۔[4] اس دعا کا بنیادی مقصد اولاد کو دین کی خدمت، اخلاص اور رضائے الٰہی کے لیے وقف کرنا تھا، نہ کہ محض دنیوی کامیابیوں کے لیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح والدین کی نیت اور دعا اولاد کی شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو اس انداز سے قبول فرمایا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو غیر معمولی روحانی مقام عطا ہوا اور ان کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی دنیا میں تشریف لائے۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ والدین کو اولاد کی تعلیم، تربیت اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں دینی اقدار کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اگرچہ آج اولاد کو عبادت گاہوں کے لیے وقف کرنے کا سابقہ نظام موجود نہیں، لیکن ان کی دینی، اخلاقی اور علمی تربیت کے ذریعے انہیں امت کے لیے مفید فرد بنانا اسی قرآنی فکر کا عملی اظہار ہے۔

---

[1] سورۃ الممتحنۃ60:5-4۔

[2] تفسیر الطبری319/23؛ تفسیر ابن کثیر92/8؛ بیان القرآن، سورۃ الممتحنہ۔

[3] سورۃ آل عمران35:3۔

[4] تفسیر الطبری340-337/6؛ تفسیر ابن کثیر35-33/2؛ تفسیر القرطبی67-65/4۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



**2۔ صالح اولاد کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ[1]

"وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو ہی دعا کو بہت سننے والا ہے"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم رزق اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا مشاہدہ کیا تو انہیں یقین کامل ہوا کہ جو رب بے موسم رزق عطا کر سکتا ہے، وہ بڑھاپے میں بھی اولاد عطا کرنے پر قادر ہے۔ اسی یقین کے ساتھ انہوں نے نہ صرف اولاد بلکہ "ذریۃً طیبۃ" یعنی پاکیزہ، صالح اور دین کی خدمت کرنے والی اولاد کی دعا کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل اعتماد اور دعا کی قبولیت کا یقین نمایاں ہے۔[2] اس دعا کا مقصد محض اولاد حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ ایسی نسل کی تمنا تھی جو نبوت، دعوت اور دینی ذمہ داریوں کو آگے بڑھائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صورت میں اس دعا کو قبول فرمایا، جنہیں قرآن نے پاکیزگی، حکمت اور نبوت سے سرفراز قرار دیا۔ یہ دعا عصرِ حاضر کے لیے اس امر کی تعلیم دیتی ہے کہ والدین کو صرف اولاد کی تعداد یا دنیاوی کامیابی کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ان کی دینداری، اخلاق اور علمی صلاحیت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ اسی طرح ناممکن دکھائی دینے والے حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ دعا مومن کے یقین اور توکل کا عملی اظہار ہے۔

**3۔ بڑھاپے میں صالح وارث کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ[3]

"اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب بڑھاپے کو پہنچ گئے اور اپنی نسل کے بارے میں فکر مند ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا فرمائی کہ اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ آپؑ کی خواہش محض دنیوی اولاد کی نہیں تھی بلکہ ایسی صالح نسل کی تھی جو دین کی خدمت اور دعوت کے کام کو آگے بڑھا سکے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی قوم میں دینی قیادت اور بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے ایک صالح جانشین کی ضرورت تھی۔ اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ایسی اولاد طلب کی جو نبوت اور ہدایت کے راستے پر قائم رہے۔[4] اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے، جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا: ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (سورۃ مریم: 12)۔ عصرِ حاضر میں یہ دعا والدین کے لیے رہنمائی ہے کہ اولاد کے لیے صرف دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ دین، اخلاق، علم اور خدمتِ خلق کی صلاحیت کی دعا کرنی چاہیے۔ صالح نسل کسی بھی معاشرے کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

**مبحث سوم: حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کی دعائیں**

**1۔ توبہ، اعترافِ خطاء اور رحمتِ الٰہی کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ[5]

"دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے"۔

حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے اجتہادی لغزش کے بعد جب ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا گیا تو دونوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزی سے یہ دعا کی۔ اس دعا میں نہ کوئی عذر پیش کیا گیا اور نہ تقدیر کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا بلکہ براہِ راست اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا گیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہی حقیقی توبہ کا طریقہ ہے کہ انسان اپنی غلطی تسلیم کرے، مغفرت طلب کرے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے۔[6] اس دعا کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ سے مغفرت

---

[1] سورۃ آل عمران 38:3۔

[2] تفسیر الطبری 6/389-392؛ تفسیر ابن کثیر 2/44؛ تفسیر الرازی 8/36-38۔

[3] سورۃ الانبیاء 21:89۔

[4] تفسیر الطبری 18/522؛ تفسیر ابن کثیر 5/394؛ معارف القرآن، 6/596؛ تفہیم القرآن، جلد سوم، سورۃ الانبیاء۔

[5] سورۃ الاعراف 7:23۔

[6] تفسیر الطبری 10/602؛ تفسیر ابن کثیر 3/426؛ تفسیر القرطبی 7/184؛ تفسیر الرازی 14/28۔

اور رحمت کا حصول تھا۔ قرآن کریم نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی (البقرۃ:37)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ کی جانے والی توبہ انسان کے گناہوں کو معاف کرا دیتی ہے اور بندے کو دوبارہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ موجودہ دور میں یہ دعا انسان کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ خطا ہو جانے کے بعد مایوسی، ضد یا خود پسندی اختیار کرنے کے بجائے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح کا آغاز اعترافِ خطا اور توبۂ صادقہ سے ہوتا ہے، اور یہی انبیاء علیہم السلام کا اسوہ ہے۔

**2۔ بیٹے کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ[1]

"اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، پس کہا اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے گھر والوں سے ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔

طوفان کے موقع پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ میرے اہل میں سے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ حقیقی تعلق ایمان کی بنیاد پر ہے، محض نسب کی بنیاد پر نہیں۔ یہ واقعہ ایک عظیم تربیتی اصول بیان کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی فطری محبت رکھتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو سب سے مقدم سمجھتے تھے۔ مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں کامیابی کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے، نہ کہ خاندان یا نسب۔[2] عصر حاضر میں یہ دعا والدین کے لیے اہم سبق رکھتی ہے کہ اولاد کی حقیقی کامیابی صرف دنیاوی ترقی نہیں بلکہ ایمان، اخلاق اور اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ والدین کو اولاد کے لیے ہدایت کی دعا کو اپنی ترجیح بنانا چاہیے۔

**3۔ ہدایت، نجات اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ[3]

"اس نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر، اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے"۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو طویل عرصہ تک توحید کی دعوت دی، لیکن قوم کی اکثریت نے انکار کیا، مذاق اڑایا اور مسلسل مخالفت کی۔ جب دعوت کے تمام ذرائع اختیار کرنے کے باوجود قوم ایمان نہ لائی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور مدد اور نصرت کی دعا فرمائی۔ مفسرین کے مطابق اس دعا میں کسی ذاتی انتقام کا جذبہ نہیں بلکہ حق کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ طلب کرنا مقصود تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری مکمل طور پر ادا کی اور پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔[4] اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا، حضرت نوح علیہ السلام اور اہل ایمان کو کشتی کے ذریعے نجات دی اور منکرین کو ان کے انجام تک پہنچایا۔ عصر حاضر کے لیے اس دعا میں یہ رہنمائی ہے کہ اصلاح، دعوت اور خیر کے کام میں مخالفت کا سامنا ہو تو مایوس ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے۔ کامیابی کا معیار صرف فوری نتائج نہیں بلکہ حق پر ثابت قدم رہنا ہے۔

**4۔ سفر اور نئی منزل کے لیے خیر کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ[5]

"اور تو کہہ اے میرے رب! مجھے اتار، ایسا اتارنا جو بابرکت ہو اور تو سب اتارنے والوں سے بہتر ہے"۔

طوفان کے اختتام پر جب کشتی ٹھہری تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مبارک مقام پر اترنے کی دعا فرمائی۔ یہ دعا اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ انسان کا سفر، قیام اور منزل سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ اس دعا میں بندے کی یہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ہر نئی منزل کو اللہ تعالیٰ کی

---

[1] سورۃ ہود 11:45۔
[2] تفسیر الطبری 347/15؛ تفسیر ابن کثیر 322/4؛ معارف القرآن، 580/4۔
[3] سورۃ المؤمنون 26:23۔
[4] الطبری 23/19؛ ابن کثیر 474/5؛ معارف القرآن 489/6۔
[5] سورۃ المؤمنون 29:23۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



برکت اور حفاظت کا محتاج سمجھتا ہے۔[1] اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اہل ایمان ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ عصر حاضر میں یہ دعا سفر، ہجرت، نئی ملازمت، نئے گھر یا زندگی کے کسی بھی نئے مرحلے میں اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت طلب کرنے کا بہترین قرآنی طریقہ فراہم کرتی ہے۔

## مبحث چہارم: حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی دعائیں

### 1۔ حق پر ثابت قدمی اور منصفانہ فیصلے کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ[2]

"یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھاری ملت میں پھر آجائیں، اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ اس میں پھر آجائیں مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو ہمارا رب ہے، ہمارے رب نے ہر چیز کا علم سے احاطہ کر رکھا ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا، اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے"۔

یہ دعا حضرت شعیب علیہ السلام نے اس وقت کی جب ان کی قوم نے توحید کی دعوت کو مسلسل رد کیا، انہیں اور ان کے ساتھیوں کو دھمکیاں دیں اور ایمان لانے والوں پر ظلم کیا۔ اس نازک مرحلے پر حضرت شعیب علیہ السلام نے انتقام کی بجائے اللہ تعالیٰ سے حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی دعا کی۔ مفسرین کے مطابق یہاں "الفتح" سے مراد فیصلہ کرنا اور حق کو غالب کرنا ہے۔[3] اس دعا کا مقصد ذاتی غلبہ حاصل کرنا نہیں بلکہ حق کا ظہور اور عدل پر مبنی فیصلہ تھا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور سرکش قوم کو ان کے ظلم کی پاداش میں عذاب سے دوچار کیا۔ یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی جدوجہد میں ہمیشہ عدل، صبر اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتماد کرتے تھے۔ عصر حاضر میں یہ دعا دعوتی، عدالتی اور سماجی میدانوں میں کام کرنے والوں کے لیے اہم رہنمائی فراہم کرتی ہے کہ اختلافات اور تنازعات میں ذاتی مفاد کے بجائے حق، انصاف اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو مقدم رکھا جائے۔ ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد بھی انصاف اور حق پر استوار ہوتی ہے، نہ کہ طاقت اور خواہشات پر۔

### 2۔ گمراہی کے بعد توبہ اور اصلاحِ حال کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ[4]

"اور جب وہ پشیمان ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ بے شک وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں، تو انھوں نے کہا یقیناً اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور ہی خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل نے سامری کے فتنے میں مبتلا ہو کر بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے اور اپنی قوم کی اس گمراہی پر ناراض ہوئے تو بنی اسرائیل نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔ مفسرین کے مطابق اس دعا میں ایک اہم اصول یہ ہے کہ اجتماعی گمراہی کے بعد بھی واپسی کا راستہ توبہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وابستہ ہے۔ مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ انسان سے غلطی ہو جائے تو اس کی اصلاح کا پہلا مرحلہ اپنی خطا کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا ہے۔[5] اس دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنا اور ایمان کی تجدید کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان پر اپنی رحمت کا معاملہ فرمایا۔ عصر حاضر کے لیے اس دعا میں یہ رہنمائی موجود ہے کہ اجتماعی یا انفرادی غلطیوں کے بعد ضد، انکار اور جواز تراشی کے بجائے اعترافِ جرم، اصلاح اور رجوع الی اللہ کا راستہ اختیار کیا جائے۔ معاشروں کی اصلاح بھی اسی اصول پر قائم ہوتی ہے۔

### 3۔ امت کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] القرطبی147/12؛ تدبر قرآن، 115/5۔

[2] سورۃالاعراف89:7۔

[3] تفسیرالطبری 737/10؛ تفسیر ابن کثیر463/3؛ تفسیرالقرطبی249/7۔

[4] سورۃالاعراف149:7۔

[5] تفسیر الطبری120/13؛ تفسیر ابن کثیر488/3؛ معارف القرآن، 84/4۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ[1]

"اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم کو بچھڑے کی عبادت سے روکنے میں ناکامی کے بارے میں دیکھا تو اپنی قوم کے معاملے میں غصہ کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا فرمائی کہ مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور اپنی رحمت میں داخل فرما۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی قوم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ ساتھ ان کے لیے رحمت اور ہدایت کے طلب گار بھی رہتے ہیں۔[2] اس دعا کا مقصد ذاتی معافی کے ساتھ دعوتی ذمہ داری ادا کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت حاصل کرنا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیادت کرنے والوں کو سخت حالات میں بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھنا چاہیے۔ عصر حاضر میں یہ دعا دینی و سماجی رہنماؤں کے لیے ایک اصول فراہم کرتی ہے کہ اصلاحِ معاشرہ کا کام کرنے والے افراد غصے، انتقام اور مایوسی کے بجائے خیر خواہی، دعا اور رحمت کے جذبے کے ساتھ کام کریں۔

**3۔ مشکلات میں قیادت اور شرحِ صدر کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي[3]

"موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میرا سینہ میرے لئے کھول دے۔ اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔ تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں"۔

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ عظیم دعا ہے جو انہوں نے فرعون کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے سے پہلے مانگی۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے شرحِ صدر، آسانیِ کام، قوتِ بیان اور مؤثر ابلاغ کی دعا کی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ یہ دعا دراصل ایک داعی، قائد اور مصلح کی بنیادی ضروریات کو بیان کرتی ہے کیوں کہ بڑے کام کے لیے صرف جذبہ کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہنی وسعت، حوصلہ اور اظہار کی قوت بھی ضروری ہے۔[4] اس دعا کے اثرات یہ ظاہر ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون جیسے طاقتور حکمران کے سامنے پوری قوت اور حکمت کے ساتھ دعوت پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انہیں کامیابی عطا کی۔ عصر حاضر کے لیے یہ دعا تعلیم، دعوت، قیادت اور ہر ذمہ دارانہ میدان میں کام کرنے والوں کے لیے بنیادی اصول فراہم کرتی ہے کہ کسی بھی بڑے کام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ذہنی وسعت، آسانی اور مؤثر گفتگو کی توفیق مانگنی چاہیے۔

**4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعترافِ ظلم اور مغفرت کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ[5]

"کہا اے میرے رب! یقیناً میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے۔ تو اس نے اسے بخش دیا، بے شک وہی تو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک واقعے میں غیر ارادی طور پر ایک شخص کی موت کا سبب بننے کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا اور مغفرت طلب کی۔ قرآن نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا (القصص:16)۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ طرزِ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے مقبول بندے بھی اپنی ذمہ داریوں میں انتہائی احتیاط اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس رکھتے ہیں۔[6] اس دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کی مغفرت، آئندہ کے لیے حفاظت اور درست راستے کی رہنمائی حاصل کرنا تھا۔ آج کے دور میں یہ دعا انسان کو سکھاتی ہے کہ غلطی کے بعد خود کو حق پر ثابت کرنے کے بجائے اپنی اصلاح، توبہ اور ذمہ داری قبول کرنے کا رویہ اختیار کیا جائے۔

**5۔ ظالم قوم سے نجات کی دعا**

---

[1] سورۃ الاعراف 151:7۔
[2] تفسیر القرطبی 282/7؛ تدبر قرآن، 449/3۔
[3] سورۃ طٰہٰ 20:28-25۔
[4] تفسیر الطبری 284/18؛ تفسیر ابن کثیر 293/5؛ تفہیم القرآن، جلد سوم، سورۂ طٰہٰ، حاشیہ۔
[5] سورۃ القصص 16:28۔
[6] معارف القرآن 385/6۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ[1]

"تو وہ ڈرتا ہوا اس سے نکل پڑا، انتظار کرتا تھا، کہا اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں سے بچا لے"۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ فرعون کے دربار میں ان کے خلاف سازش ہو رہی ہے اور انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے تو آپؑ شہر سے نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مختصر مگر جامع دعا فرمائی کہ اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ مفسرین کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اقدام خوف کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکمت کے مطابق تھا، کیونکہ ایک داعی اور مصلح کے لیے اپنی جان کی حفاظت بھی ایک ذمہ داری ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس دعا میں مظلوم بندے کے لیے یہ سبق ہے کہ جب ظالم قوتیں راستے بند کر دیں تو مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت طلب کرنی چاہیے، کیوں کہ حقیقی حفاظت اسی کے اختیار میں ہے۔[2] اس دعا کا مقصد ظلم سے نجات، اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور آئندہ ذمہ داریوں کے لیے محفوظ راستہ حاصل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین پہنچایا، جہاں انہیں ایک محفوظ ماحول، نیک خاندان اور مستقبل کی عظیم ذمہ داری کے لیے تیاری کا موقع ملا۔ عصرِ حاضر میں یہ دعا مظلوم افراد، اصلاحی کام کرنے والوں اور مشکلات میں گھرے لوگوں کے لیے امید کا پیغام ہے کہ جب ظاہری وسائل محدود ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے ساتھ یہ اصول بھی ملتا ہے کہ ظلم کے مقابلے میں حکمت، صبر اور درست حکمت عملی اختیار کی جائے۔

### 6۔ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ[3]

"تو اس نے ان کے لیے پانی پلا دیا، پھر پلٹ کر سائے کی طرف آ گیا اور اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں، جو بھلائی بھی تو میری طرف نازل فرمائے، اس کا محتاج ہوں"۔

مدین پہنچنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں دو عورتوں کی مدد کی اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اس کے بعد آپؑ سایہ میں بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا فرمائی کہ اے میرے رب! جو بھی خیر تو میری طرف نازل فرمائے، میں اس کا محتاج ہوں۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت بے گھر، بے مال اور تنہا تھے، لیکن انہوں نے کسی انسان کے سامنے سوال نہیں کیا بلکہ اپنی تمام حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے نتیجے میں انہیں رہائش، روزگار، خاندان اور امن عطا فرمایا۔[4] اس دعا کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے سامنے کامل محتاجی کا اظہار تھا۔ اس میں بندے کی عبدیت، توکل اور یقین کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مخصوص چیز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر خیر کا سوال کیا۔ عصرِ حاضر کے لیے یہ دعا انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی محتاجی صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرنی چاہیے۔ روزگار، کامیابی، عزت، علم اور دیگر تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، اس لیے کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتماد ضروری ہے۔

### 7۔ اجتماعی کمزوری اور اصلاحِ امت کی دعا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي ۖ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ[5]

"اس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں، سو تو ہمارے درمیان اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان علیحدگی کر دے"۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار حکم دینے کے باوجود سرزمینِ مقدس میں داخل ہونے سے انکار کیا اور بزدلی کا مظاہرہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ میں اور میرا بھائی ہی میرے اختیار میں ہیں، لہٰذا ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان فیصلہ فرما

---

[1] سورۃ القصص 21:28۔
[2] تفسیر الطبری 539/19؛ تفسیر ابن کثیر 225/6؛ بیان القرآن، سورۃ القصص۔
[3] سورۃ القصص 24:28۔
[4] ابن کثیر 228/6؛ القرطبی 270/13؛ معارف القرآن، 432/7۔
[5] سورۃ المائدہ 25:5۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



دے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ یہ دعا ایک داعی اور قائد کی اس کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جب وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود قوم کی اصلاح میں ناکام ہو جائے، پھر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔[1] اس دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو قبول کرنا اور اہل ایمان کو نافرمانوں کے انجام سے الگ کرنا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو چالیس سال تک صحرائے تیہ میں بھٹکنے کی سزا دی۔ عصر حاضر کے لیے اس دعا میں یہ اصول موجود ہے کہ اصلاحِ معاشرہ کے لیے کوشش ضروری ہے، لیکن نتائج اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ ایک مصلح کو اپنی ذمہ داری ادا کر کے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور مسلسل ناکامی کی صورت میں بھی حق کا راستہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے مستفاد راہ نما اصول**

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی اور قائد کو مختلف حالات میں مختلف دعائیہ رویے اختیار کرنے چاہییں: ذمہ داری سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا، مشکلات میں حفاظت اور ثابت قدمی طلب کرنا، غلطی پر فوراً توبہ کرنا، دنیاوی ضرورتوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کو اصل عطا کرنے والا سمجھنا، قوم کی اصلاح کے لیے کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنا۔ یہ تمام اصول آج کے دور میں دعوت، تعلیم، قیادت، سماجی اصلاح اور ذاتی زندگی کے لیے نہایت اہم راہ نمائی فراہم کرتے ہیں۔

**8۔ نعمتِ الٰہی کے اظہار اور ایمان کے استحکام کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنكَ وَارْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ[2]

"عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان اتار، جو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے"۔

یہ دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے اصرار پر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی، جب انہوں نے آسمان سے ایک دستر خوان نازل ہونے کی خواہش ظاہر کی تاکہ ان کے دل مزید مطمئن ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں محض کھانے کی طلب نہیں کی بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی نشانی، ایمان کے استحکام اور اجتماعی شکر گزاری کا ذریعہ قرار دیا۔ مفسرین کے نزدیک اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر غیر معمولی نعمت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامت اور بندگی کے فروغ کا وسیلہ سمجھتے تھے۔[3] اس دعا کا مقصد ایمان کو مزید تقویت دینا، اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور امت کے لیے ایک یادگار دن قائم کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، مگر ساتھ ہی تنبیہ بھی فرمائی کہ اس واضح نشانی کے بعد انکار کرنے والوں پر سخت عذاب ہوگا (المائدۃ:115)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور معجزات کے ساتھ ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔ عصر حاضر میں یہ دعا مسلمانوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو محض مادی فائدے کے لیے نہیں بلکہ ایمان، شکر اور اجتماعی خیر کے فروغ کے لیے استعمال کیا جائے۔ اسی طرح غیر معمولی نعمتیں انسان کے لیے آزمائش بھی ہوتی ہیں، لہٰذا ان کا صحیح مصرف اختیار کرنا دینی ذمہ داری ہے۔

**مبحث پنجم: حضرت ایوب، حضرت یوسف اور حضرت یونس علیہم السلام کی دعائیں**

**1۔ تکلیف میں صبر اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ[4]

"اور ایوب، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک میں، مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے"۔

حضرت ایوب علیہ السلام کو طویل بیماری، مال و اولاد کے نقصان اور شدید آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود انہوں نے شکوہ یا ناشکری نہیں کی بلکہ نہایت ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تکلیف بیان کی اور اس کی رحمت کا حوالہ دیا۔ مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا میں ایک عظیم ادب یہ ہے کہ انہوں نے تکلیف کا ذکر کیا مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے اعتراض نہیں کیا، بلکہ اپنی حاجت رحمتِ الٰہی کے حوالے کر دی۔[5] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا

[1] الطبری 180/10؛ ابن کثیر 52/3؛ تفہیم القرآن، جلد اول، سورۃ المائدہ۔
[2] سورۃ المائدۃ 114:5۔
[3] الطبری 639/9-646؛ ابن کثیر 238/3-240؛ القرطبی 365/6-369۔
[4] سورۃ الانبیاء 83:21۔
[5] الطبری 447/18؛ ابن کثیر 370/5؛ معارف القرآن 570/6۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



بِهِ مِن ضُرٍّ﴾(الانبیاء:84)یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی تکلیف دور کر دی۔ عصر حاضر میں یہ دعا بیماری، مشکلات اور آزمائشوں میں مبتلا افراد کے لیے امید، صبر اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کا عظیم اصول فراہم کرتی ہے۔

**2۔ علم، صالح عمل اور انجام خیر کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ[1]

"اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اقتدار، عزت اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا فرمائی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ دنیاوی کامیابی کے عروج پر بھی آپؑ نے دنیا کو مقصد نہیں بنایا بلکہ ایمان پر خاتمہ اور صالحین کے ساتھ شامل ہونے کی دعا کی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ دعا اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اصل کامیابی اقتدار، دولت اور عزت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ایمان پر خاتمہ ہے۔[2] اس دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف، ایمان کی حفاظت اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا تھا۔ عصر حاضر کے لیے یہ دعا انسان کو یہ سبق دیتی ہے کہ کامیابی، شہرت اور عہدہ ملنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھا جائے اور اصل کامیابی کو آخرت کی کامیابی سمجھا جائے۔

**3۔ توبہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ[3]

"اور مچھلی والے کو، جب وہ غصے سے بھرا ہوا چلا گیا، پس اس نے سمجھا کہ ہم اس پر گرفت تنگ نہ کریں گے تو اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ظلم کرنے والوں سے ہو گیا ہوں"۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے ناراضی کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر جلدی کی، جس کے نتیجے میں انہیں آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ مچھلی کے پیٹ میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد، توحید اور اپنی کوتاہی کے اعتراف پر مشتمل یہ عظیم دعا فرمائی۔ یعنی جب حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ کی کامل الوہیت کا اقرار کیا، اس کی ذات مقدس کو ہر نقص، ہر عیب اور ہر آفت سے منزہ اور پاک قرار دیا اور اپنے ظلم و جرم کا اعتراف کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾(سورۃ الصافات 37 : 143، 144) اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتا۔[4] ان کے اس اقرار، فعل اور تسبیح و دعا کے نتیجہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ﴾(الانبیاء:88)اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غم سے نجات عطا فرمائی۔ عصر حاضر میں یہ دعا انسان کو سکھاتی ہے کہ مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، اپنی اصلاح اور توبہ ہی نجات کا راستہ ہے۔ یہ دعا مایوسی کے بجائے امید اور رجوع الی اللہ کا پیغام دیتی ہے۔

**مبحث ششم: حضرت لوط اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی دعائیں**

**1۔ قوم کی گمراہی سے براءت اور حفاظت کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ[5]

---

[1] سورۃ یوسف 101:12۔

[2] ابن کثیر 405/4؛ الرازی 162/18؛ تفہیم القرآن، جلد دوم۔

[3] سورۃ الانبیاء 87:21۔

[4] الطبری 504/18؛ ابن کثیر 377/5؛ تفسیر سعدی۔

[5] سورۃ الشعراء 169:26۔

"اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں"۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو اخلاقی بے راہ روی اور گناہوں سے روکنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن قوم نے انکار کیا۔ اس صورت حال میں آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو ان کے اعمال کے انجام سے محفوظ فرما۔ مفسرین کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کی دعا میں اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ ایمان کی حفاظت کا پہلو بھی نمایاں ہے، کیوں کہ جب ماحول گناہ پر قائم ہو جائے تو اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے معدودے چند پیروکار اس اوباش اور گندے قسم کے معاشرے سے سخت بیزار تھے۔ جب لوط علیہ السلام ان لوگوں کے راہ راست پر آنے سے مایوس ہو گئے اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی گئی تو اس وقت آپ نے سخت اضطراب کے عالم میں اللہ سے دعا کی کہ ہم اب زیادہ دیر اس اوباش سوسائٹی میں نہیں رہ سکتے لہٰذا ان لوگوں سے ہماری نجات کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔[1] اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اہل ایمان کو نجات عطا فرمائی، جب کہ سرکش قوم اپنے انجام کو پہنچی۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ مسلمان کو فتنہ انگیز ماحول میں اپنے ایمان، خاندان اور اخلاقی اقدار کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے۔

**2۔ شکر، علم اور صالح عمل کی دعا**

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ[2]

"تو وہ اس کی بات سے ہنستا ہوا مسکرایا اور اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو محسوس کیا تو فوراً شکر کی دعا کی۔ اگرچہ آپؑ کو عظیم سلطنت، علم اور غیر معمولی اختیارات حاصل تھے، لیکن آپؑ نے ان نعمتوں کو اپنی قابلیت کا نتیجہ نہیں سمجھا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل قرار دیا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا حکمرانوں اور صاحبِ اقتدار لوگوں کے لیے خاص سبق رکھتی ہے کہ اقتدار کا صحیح مصرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عمل کرنا ہے۔[3] اس دعا کا بنیادی مقصد نعمت پر شکر، صالح عمل کی توفیق اور والدین کے احسان کا اعتراف تھا۔ عصر حاضر میں یہ دعا ہر صاحبِ نعمت انسان کے لیے راہ نمائی ہے کہ علم، دولت، منصب اور صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر انہیں خیر اور خدمت کے لیے استعمال کیا جائے۔

**3۔ بے مثال حکومت اور اللہ کی رضا طلب کرنے کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ[4]

"اس نے کہا اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا اس وقت فرمائی جب ایک خاص آزمائش کے بعد انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل رجوع کیا۔ آپؑ نے سب سے پہلے مغفرت طلب کی، پھر ایسی حکومت کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص عطیہ ہو۔ مفسرین نے واضح کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خواہش محض دنیاوی اقتدار نہیں تھی بلکہ ایسی حکومت تھی جو دین کے قیام، عدل کے نفاذ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے لیے استعمال ہو۔ اسی لیے قرآن نے ان کی حکومت کو اللہ تعالیٰ کی عطا قرار دیا: ﴿هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (ص:39)۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس بات کی مثال ہے کہ اقتدار بذاتِ خود قابلِ مذمت نہیں بلکہ اس کا مقصد اور استعمال اسے خیر یا شر بناتا ہے۔[5] عصر حاضر کے لیے اس دعا میں یہ راہ نمائی ہے کہ منصب، اختیار اور صلاحیت اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ انسان کو اقتدار یا اختیار ملے تو اسے ذاتی مفاد کے بجائے عدل، خدمت اور خیر کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ نیز انسان

[1] الطبری 455/19؛ ابن کثیر 171/6؛ بیان القرآن؛ تیسیر القرآن۔
[2] سورۃ النمل 19:27۔
[3] الطبری 439/19؛ ابن کثیر 185/6؛ تفہیم القرآن، جلد سوم۔
[4] سورۃ ص 35:38۔
[5] القرطبی 211/15؛ الطبری 189/21؛ ابن کثیر 58/7؛ تفہیم القرآن، جلد پنجم۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



کو کسی بھی اختیار یا قابلیت کو اپنے علم یا محنت سے منسوب کرنے کی بجائے رحمت باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہیے تاکہ خیر و بھلائی اور اعانتِ خداوندی کا سلسلہ جاری و ساری رہ سکے۔

**مبحث ہفتم: حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعائیں**

**1۔ عزت، استقامت اور کامیاب انجام کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا[1]

"اور کہہ اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور میرے لیے اپنی طرف سے ایسا غلبہ بنا جو مددگار ہو"۔

یہ دعا ہجرتِ مدینہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو سکھائی گئی، جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔ مفسرین کے مطابق "مدخل صدق" سے مراد ہر ایسے مقام یا ذمہ داری میں عزت، خیر اور صداقت کے ساتھ داخل ہونا ہے، جب کہ "مخرج صدق" ہر کام سے عزت، سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ نکلنے کو کہتے ہیں۔ "سلطاناً نصیراً" سے مراد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایسی قوت، دلیل اور نصرت ہے جو دین کے غلبے کا ذریعہ بنے۔ اس آیت سے دو باتیں ضمناً معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ دین حق کے نفاذ کے لیے اقتدار اور غلبہ ضروری ہے محض پند و نصائح سے لاتوں کے بھوت کبھی نہ راہ راست پر آسکتے ہیں اور نہ اپنی معاندانہ سرگرمیاں چھوڑنے پر تیار ہوتے ہیں۔ اور ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ سمجھانے کے بعد ڈنڈے کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ لہٰذا اقامت دین کے لیے دعوت دین کے علاوہ غلبہ و اقتدار کے لیے کوشش کرنا بھی ویسا ہی ضروری ہے۔[2] اس دعا کا مقصد ہر نئے مرحلے، ذمہ داری اور جدوجہد میں اللہ تعالیٰ کی تائید، عزت اور استقامت حاصل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ اسلامی ریاست کا مرکز بنا۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ مسلمان ہر نئے کام، منصب، سفر، ملازمت، علمی ذمہ داری یا سماجی خدمت کا آغاز اللہ تعالیٰ سے خیر، عزت اور کامیابی کی دعا کے ساتھ کرے، کیونکہ حقیقی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت سے حاصل ہوتی ہے۔

**2۔ علم میں مسلسل اضافہ کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا[3]

"پس بہت بلند ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے، اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کر، اس سے پہلے کہ تیری طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر"۔

یہ قرآن مجید کی منفرد دعا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ کو علم میں اضافے کی دعا کرنے کا حکم دیا۔ اگرچہ آپ ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، اس کے باوجود آپ کو مزید علم طلب کرنے کی تعلیم دی گئی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کی کوئی انتہا نہیں اور ہر صاحبِ علم کو مسلسل سیکھنے اور اللہ تعالیٰ سے مزید علم کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔[4] اس دعا کا مقصد وحی کے فہم، دینی بصیرت اور حکمت میں اضافہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری حیاتِ مبارکہ علم، تعلیم اور تربیت سے عبارت ہے، جس کا نتیجہ ایک ایسی امت کی تشکیل کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے علم و تہذیب کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس امر کی راہ نمائی کرتی ہے کہ علم حاصل کرنا ایک مسلسل عمل ہے۔ اساتذہ، طلبہ، محققین اور علماء کو ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ سے صحیح علم، حکمت اور بصیرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔

**3۔ شیطانی وسوسوں سے حفاظت کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ[5]

---

[1] سورۃ الاسراء 80:17۔

[2] الطبری 512/17؛ ابن کثیر 98/5؛ القرطبی 317/10؛ معارف القرآن 500/5؛ تیسیرالقرآن؛ تفہیم القرآن، جلد سوم۔

[3] سورۃ طٰہٰ 114:20۔

[4] ابن کثیر 318/5؛ ابن عاشور 307/16؛ تدبر قرآن 582/5؛ معارف القرآن 136/6۔

[5] سورۃ المؤمنون 98:23-97۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



"اور تو کہہ اے میرے رب! میں شیطانوں کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں"۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا اس وقت سکھائی گئی جب کفار کی مخالفت، شیطانی وسوسوں اور باطل قوتوں کی ایذا رسانیوں کا سامنا تھا۔ مفسرین کے مطابق "ھمزات الشیاطین" سے مراد شیطان کے وسوسے، بہکاوے اور گناہ کی ترغیبات ہیں، جب کہ "أن یحضرون" سے مراد شیطان کے اثرورسوخ اور اس کی معیت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ہے۔[1] چناں چہ نبی کریم ﷺ شیطان سے اس طرح پناہ مانگتے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنَ هَمْزِهِ وِنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ[2] ۔اس لیے نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ہر اہم کام کی ابتداللہ کے نام سے کرو یعنی بسم اللہ پڑھ کر، کیوں کہ اللہ کی یاد، شیطان کو دور کرنے والی چیز ہے۔ آپ ﷺ یہ دعا بھی مانگتے تھے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَمِنَ الْغَرَقِ ، وَأَعُوذُ بِكَ أَن يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ[3]۔اور رات کو گھبراہٹ میں آپ ﷺ یہ دعا بھی پڑھتے تھے باسْمِ اللهِ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَةِ مِنْ غَضَبِه، وَعِقَابِه، وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ[4]۔ قرآن مجید میں مذکور اس دعا کا مقصد روحانی حفاظت، فکری پاکیزگی اور دعوتی مشن کو شیطانی رکاوٹوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت میں تھے، لیکن امت کی تعلیم کے لیے انہیں یہ دعا سکھائی گئی۔ عصر حاضر میں یہ دعا فکری انتشار، اخلاقی فتنوں، میڈیا کے منفی اثرات اور نفسانی خواہشات کے دور میں ہر مسلمان کے لیے نہایت اہم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی حفاظت کے لیے صرف ظاہری اسباب کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ بھی ضروری ہے۔

**4۔ مغفرت اور رحمتِ الٰہی کی دعا**

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ[5]

اور تو کہہ اے میرے رب! بخش دے اور رحم کر اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم والا ہے۔

سورۃ المؤمنون کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ جامع دعا سکھائی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت طلب کریں۔ مفسرین کے نزدیک اگرچہ رسول اللہ ﷺ معصوم تھے، لیکن ان کا استغفار امت کو تعلیم دینے، اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرنے اور رحمتِ الٰہی کی دائمی طلب کا اظہار تھا۔[6] اس دعا کا مقصد اللہ تعالیٰ کی دائمی مغفرت، رحمت اور قرب حاصل کرنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی اس دعا کی بہترین تفسیر ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کثرت سے استغفار فرمایا کرتے تھے۔ عصر حاضر میں یہ دعا اس حقیقت کی یاددہانی کراتی ہے کہ انسان اپنی عبادات اور نیکیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا محتاج ہے۔ یہی احساس بندے کو تکبر سے بچاتا اور اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے۔

**5۔ حق کے مطابق فیصلہ اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی دعا**

ارشاباری تعالیٰ ہے:

قُل رَّبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ[7]

"اس نے کہااے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرمااور ہمارارب ہی وہ بے حد مہربان ہے جس سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو"۔

یہ دعا رسول اللہ ﷺ کی مکی دعوت کے آخری دور میں نازل ہوئی، جب کفارِ مکہ آپ ﷺ پر مختلف الزامات لگاتے اور دعوتِ اسلام کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ دعا سکھائی کہ وہ حق کے مطابق فیصلہ طلب کریں اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد پر اعتماد رکھیں۔ مفسرین کے مطابق یہاں جلد عذاب کی دعا نہیں، بلکہ عدلِ الٰہی کے مطابق فیصلہ اور حق کے غلبے کی درخواست ہے۔ مولانا عبدالرحمان کیلانی لکھتے ہیں: اکثر انبیاء جب اپنی زندگی بھر اللہ کی طرف دعوت دینے کے بعد کافروں کی طرف سے مایوس ہوگئے تو انہوں نے ایسی ہی یا ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں دعا کی کہ یا اللہ! اب تو ہی ان کافروں کے اور ہمارے

[1] الطبری 66/19؛ ابن کثیر 493/5؛ القرطبی 161/12؛ معارف القرآن 497/6؛تفسیراحسن البیان۔
[2] أبو داود، کتاب الصلاة، باب ما یستفتح الصلاة من الدعاء؛ ترمذی ، باب ما یقول عند افتتاح الصلاة۔
[3] أبو داود ، کتاب الوتر، باب فی الاستعاذة۔
[4] مسند أحمد ،181/2؛ أبو داود کتاب الطب، باب کیف الرقی ؛ ترمذی ، أبواب الدعوات۔
[5] سورة المؤمنون 118:23۔
[6] ابن کثیر 503/5؛ الطبری 83/19؛ القرطبی 181/12؛ معارف القرآن 506/6؛ تفہیم القرآن، جلد سوم۔
[7] سورة الانبیاء 112:21۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ چناں چہ اس رسول (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی کافروں کو مخاطب کرکے فرمایا: کہ جس طرح تم اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے رہے ہو اور مسلمانوں کو اپنی تضحیک اور ظلم وستم کا نشانہ بناتے رہے ہو تو اس کے ردعمل کے طور پر ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں جو نہایت مہربان ہے اور ایسے مشکل اوقات میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہیے۔[1] اس دعا کا مقصد دعوتِ حق میں استقامت، ظلم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور عدلِ الٰہی کے ظہور کی طلب تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہجرت، مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام اور بالآخر فتح مکہ کی صورت میں اپنے وعدے کو پورا فرمایا۔ عصرِ حاضر میں یہ دعا دعوت، تدریس، تحقیق، عدالتی امور اور سماجی اصلاح سے وابستہ افراد کو یہ سبق دیتی ہے کہ مخالفت، بہتان اور ظلم کے باوجود صبر، حکمت اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد کو اختیار کیا جائے، کیوں کہ حق کی آخری فتح اللہ تعالیٰ ہی کے فیصلے سے ہوتی ہے۔

## نتائج تحقیق

اس تحقیق سے درج ذیل اہم نتائج سامنے آئے ہیں:

1۔ قرآن مجید میں مذکور انبیاء علیہم السلام کی دعائیں انسانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان میں عقیدہ، عبادت، اخلاق، خاندان، معاشرہ، قیادت اور آخرت سب شامل ہیں۔

2۔ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کا بنیادی وصف اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور اپنی محتاجی کا اعتراف ہے۔ یہ دعائیں انسان کو تکبر کے بجائے عبودیت کا راستہ دکھاتی ہیں۔

3۔ قرآنی دعاؤں میں ذاتی مفاد کے بجائے عمومی خیر کا پہلو نمایاں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امنِ مکہ، صالح نسل اور امت کی ہدایت کے لیے دعا کی، جبکہ دیگر انبیاء نے اپنی قوموں کی اصلاح اور نجات کو اہمیت دی۔

4۔ انبیاء کی دعائیں مشکلات سے فرار نہیں بلکہ مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے روحانی قوت فراہم کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں قیادت اور جدوجہد میں اللہ تعالیٰ سے مدد لینے کا نمونہ ہیں۔

5۔ قرآن نے متعدد مقامات پر ان دعاؤں کی قبولیت کے نتائج بھی بیان کیے، مثلاً: حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف دور کی گئی، حضرت یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی گئی، حضرت زکریا علیہ السلام کو صالح اولاد عطا ہوئی اور حضرت نوح اور اہل ایمان کو نجات عطا ہوئی۔

6۔ قرآنی دعائیں اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ حقیقی کامیابی صرف دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ ایمان پر خاتمہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا سے واضح ہوتا ہے۔

## خلاصہ تحقیق

قرآن مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں دراصل اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کی عملی تفسیر ہیں۔ ان دعاؤں میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل راہ نمائی موجود ہے۔ یہ دعائیں واضح کرتی ہیں کہ کامیاب انسان وہ ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قائم رکھے، نعمتوں پر شکر ادا کرے، مشکلات میں صبر کرے، خطاؤں پر توبہ کرے اور مستقبل کی بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں آج کے انسان کے لیے بھی اسی طرح مؤثر اور راہ نما ہیں جس طرح سابقہ اقوام کے لیے تھیں، کیوں کہ انسانی فطرت، اس کی ضروریات اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی حقیقت ہر دور میں یکساں رہتی ہے۔

[1] الطبری 563/18؛ ابن کثیر 410/5؛ الرازی 254/22؛ معارف القرآن 617/6؛ تدبر قرآن 742/5؛تیسیرالقرآن۔